قوموں کی ہلاکت کا سبب

ایک آیت کے مفہوم کی تحقیق

از جناب مولوی ابواللیث شیر محمد صاحب ندوی

نگار ماہ اکتوبر کے تازہ پرچہ میں، زلزلہ کوئٹہ کے متعلق ایک اہم استفسار درج ہے جس کا مدیر نگار نے اپنے مخصوص انداز میں جواب دیا ہے۔ یہ جواب کہاں تک صحیح ہے؟ میں اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا لیکن چونکہ سائل اور مجیب دونوں کی طرف سے قرآن کی ایک آیت ضمناً معرض بحث میں آگئی ہے اور مدیر نگار نے اس پر کوئی بحث نہیں کی ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

سورۂ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "إِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُوا فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيرًا، الآية" مستفسر نے اس آیت پر یہ شبہ ظاہر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی بنا پر کوئٹہ کا زلزلہ اہل کوئٹہ کی بداعمالیوں کی وجہ سے آیا تھا، لیکن مدیر نگار نے آیت کے اس مفہوم سے انکار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "اگر اس کا مفہوم یہ قرار دیا جائے کہ خدا خود بربادی چاہتا ہے اور لوگوں کی .... وعصیان کاری کا بہانہ ڈھونڈھتا ہے تو یہ نہ صرف صفات خداوندی کے خلاف ہوگا۔ بلکہ دیگر آیات قرآنی کے بھی منافی ہوگا"۔

یہ دیکھکر واقعی مجھے خوشی ہوئی کہ عربی سے ناواقف حضرات عموماً اس آیت میں جس غلط فہمی کا شکار ہوتے ہیں، اس غلط فہمی کا شکار مدیر نگار صاحب نہیں ہوئے لیکن اسی کے ساتھ یہ دیکھکر حیرت

بھی ہوئی کہ مدیر نگار نے اصل شبہہ کا کوئی تشفی بخش جواب نہیں دیا۔ اور یہ مبہم سی بات کہکر کہ "فی الحقیقت یہ قرآن کا انداز بیان ہے اور عربوں کے نمونہ خطابت میں بھی اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں" صاف دامن بچا کر نکل گئے۔ آیت کے جس مفہوم کو مدیر نگار نے غلط قرار دیا ہے، اگر واقعی وہ غلط ہے تو آخر اس آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے۔ اور یہاں بظاہر الفاظ سے جو شبہہ پیدا ہوتا ہے اس کا حقیقی جواب کیا ہے؟ افسوس ہے کہ مدیر نگار نے اس کی طرف بالکل توجہ نہیں کی اور اس کے بجائے ایک غیر متعلق اور بالکل غیر ضروری بحث میں پڑ گئے کہ "بستی کو تباہ کرنے کا مفہوم، در و دیوار کی مسماری نہیں ہے بلکہ اہل قریہ کی تباہی مراد ہے اور ظاہر ہے کہ جب کسی بستی کے رہنے والے برباد ہو جائیں گے تو وہ بستی آپ اجاڑ نظر آئے گی" سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کونسی ایسی اہم بات تھی جس کو بیان کرنے کی ضرورت لاحق ہوتی! یہ تو بالکل ظاہر بات ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ نگار کے پڑھنے والوں کو یہ سمجھانے کی قطعاً ضرورت نہ تھی کہ "جب کسی بستی کے رہنے والے برباد ہو جائیں گے تو وہ بستی آپ اجاڑ نظر آئے گی" یہ تو معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی سمجھتا ہے بہرحال افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ مدیر نگار کے تفصیلی جواب کے باوجود آیت کا کوئی مفہوم متعین نہ ہو سکا۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ناقص علم کے مطابق کچھ عرض کروں۔

اس آیت میں تو دراصل دو باتیں قابل بحث ہیں سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہاں اَمَرْنَا کے کیا معنے ہیں۔ اور مامور بہ کیا چیز ہے؟ مفسرین نے اگرچہ امرنا کے بہت سے معنے لکھے ہیں لیکن میرے خیال میں وہ تمام تر تکلفات ہیں۔ میرے نزدیک اس آیت میں بھی "امر" کا وہی مفہوم ہے جو عام طور سے اس لفظ سے سمجھا جاتا ہے یعنی حکم دینا۔ بغیر کسی وجہ خاص کے کسی لفظ سے غیر معروف معنی مراد لینا، میرے نزدیک اصولاً غلط ہے کیونکہ میرا خیال ہے کہ حتی الوسع قرآن کے الفاظ سے وہی معانی مراد لینے چاہئیں جو معروف اور متداول ہیں، اب رہا یہ سوال کہ مامور بہ کیا چیز ہے؟ تو اکثر محققین تو یہی فرماتے ہیں کہ اللہ کا حکم، اطاعت اور نیکوکاری کا ہوگا نہ کہ فسق و فجور کا۔ لیکن علامہ زمخشری نے

نہایت شد و مد کے ساتھ یہ دعوی کیا ہے کہ عربی اصول کے لحاظ سے یہاں فسق کو ماموربہ ماننا پڑیگا کیونکہ امرتہ فقام اگر کہا جائے تو فقام کے قرینہ سے امر بالقیام مراد ہوگا۔ اسی طرح اس آیت میں بھی ففسقوا کے قرینہ سے امر بالفسق مراد ہوگا۔ لیکن واضح رہے کہ علامہ زمخشری نے جو کچھ کہا ہے اصل میں انھوں نے یہ سب کچھ مذکورہ بالا قاعدہ کی بے جا حمایت میں کہا ہے ورنہ خدا نخواستہ وہ اس بات کے قائل نہیں کہ اللہ فسق وفجور کا حکم دیتا ہے۔ ان کے نزدیک امرنا بالفسق گویا مجازاً کہا گیا ہے اور مقصود صرف یہ ہے کہ اللہ ان پر راحت اور آسائش کے دروازے کھول دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ فسق وفجور میں مبتلا ہو جاتے ہیں نہ یہ کہ واقعی ان کو فسق کا حکم دیتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ علامہ زمخشری کا یہ اصرار بالکل بیجا ہے۔ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ "امرتہ فعصیٰ" تو کیا کوئی عربی سے واقف یہاں "عصیٰ" کے قرینہ سے یہ کہہ سکتا ہے کہ یہاں امر بالعصیان مراد ہے؟ بعینہ یہی حال یہاں بھی ہے۔ علامہ زمخشری اس قسم کی مثالوں کا یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ معصیت 'امر' کے منافی ہے اس لیے اس مثال میں امر بالمعصیۃ مراد نہیں ہو سکتی لیکن بقول امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے اگر ایسا ہے تو "امرتہ ففسق" میں بھی فسق کا ماموربہ ہونا مناسب نہیں۔ کیونکہ فسق کے معنی امر کی خلاف ورزی کے ہیں۔ تو جس طرح معصیت، ماموربہا نہیں ہو سکتی اسی طرح فسق بھی ماموربہ نہیں ہو سکتا اس سے معلوم ہوا کہ اس بارہ میں ان لوگوں کا خیال صحیح ہے جو "طاعت" کو ماموربہ قرار دیتے ہیں۔ بظاہر یہ بحث یہاں غیر متعلق معلوم ہوتی ہے لیکن یہ تفصیل محض دوسری بحث کی تمہید اور توضیح کے لیے کر دی گئی ہے۔

دوسری بحث یہ ہے کہ بظاہر آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہلاکت کا ارادہ پہلے ہی کر لیتا ہے اور پھر محض اسی ارادہ کو جائز ثابت کرنے کے لیے ان کو نیکیوں کا حکم دیتا ہے، وہ نہیں مانتے اس لیے ہلاک کر دیتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا جب کسی قوم کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا ہے

تو کیا یہ ہلاکت ان کے گذشتہ اعمال کی پاداش میں ہو۔ فی دانی ہوتی ہے یا اہلاک کے بعد خدا جو کچھ ان کو حکم دیتا ہے اس کی نافرمانی کے صلہ میں؟ اگر پہلی صورت اختیار کی جائے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب خدا نے ہلاک کر دینے کا ارادہ ہی کر لیا تو پھر خواہ مخواہ کے لیے ایمان اور عمل صالح وغیرہ کا حکم دینے کی کیا ضرورت ہے۔ اور اگر دوسری صورت اختیار کی جائے تو یہ اعتراض لاحق ہوتا ہے کہ خدا قبل نافرمانی اور قبل استحقاق عذاب ہلاک کر دینا چاہتا ہے۔

اس میں شبہہ نہیں کہ بظاہر یہ سوال بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اسی لیے آپ نے دیکھا کہ مدیر نگار کو اگرچہ اس آیت میں یہ شبہہ لاحق ہوا جس کا اظہار خود ہی انہوں نے اپنی تحریر میں کیا ہے لیکن جواب دینے سے انہوں نے پہلو تہی کی؛ اور یہ مہمل بات کہکر جان چھڑا لی کہ "دونی الحقیقت قرآن کا انداز بیان ہے اور عربوں کے نمونۂ خطابت میں بھی اس قسم کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں"۔ انصاف فرمائیے کہ کیا اس جواب سے مذکورہ بالا شبہہ رفع ہو گیا؟

اصل یہ ہے کہ یہ تمام شبہات، آیت کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہونے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ورنہ اس آیت سے خدا کے ظلم و ستم کے ثبوت کے بجائے، اس کی بے پایاں رحمت اور شفقت کا اظہار ہوتا ہے۔ اور یہ غلط فہمیاں محض اس لیے پیدا ہوتی ہیں۔ کہ لوگ ماقبل اور ما بعد کی آیتوں کو پیش نظر رکھکر غور نہیں کرتے ورنہ یہ شبہہ ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اللہ اہلاک کا ارادہ، نافرمانی سے پہلے کرتا ہے یا نافرمانی کے بعد۔

ماقبل اور ما بعد کی آیتوں کو ایک ساتھ ملا کر پڑھیے، خدا فرماتا ہے۔

لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ نُّھْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْھَا فَفَسَقُوْا فِیْھَا فَحَقَّ عَلَیْھَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰھَا تَدْمِیْرًا وَکَمْ اَھْلَکْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَکَفٰی بِرَبِّكَ

بذُنُوبِ عِبَادِهٖ خَبِيرًا بَصِيرًا۔ سب سے پہلے خدا یہ فرماتا ہے کہ رسول بھیجنے سے قبل ہم کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتے اور پھر اسی سلسلہ میں اس کی مزید توضیح اور تفسیر کے لیے فرماتا ہے کہ جب کوئی قوم اپنے اعمال خبیثہ کی بنا پر ہلاکت کی مستحق ہو جاتی ہے تو سب سے پہلے ہم ان کو باوجود استحقاق عذاب کے آخری موقع ادے کر، ڈرانے والوں کو بھیجکر، ایمان اور عمل صالح کا حکم دیتے ہیں جب لوگ اس کے بعد بھی اپنی شرارتوں اور بداعمالیوں سے باز نہیں آتے تو پھر ہم ان کو ہلاک کر دیتے ہیں چنانچہ اس قانون کے مطابق حضرت نوح کے بعد معلوم نہیں کتنی قومیں برباد ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے گناہوں سے واقف ہی ہے۔ اس لئے جو لوگ اس کے قانون کے مطابق عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ وہ ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو نافرمانی سے قبل ہلاک کر دینے کا ارادہ نہیں کرتا بلکہ دراصل ان کے گذشتہ اعمال ہلاک کا موجب ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود اللہ ان کو فوراً ہلاک نہیں کرتا بلکہ ان کو آخری موقع دیتا ہے اور ان کی ہدایت کے لیے انبیاء کو بھیجتا ہے جب اس موقع سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے تو پھر ہلاک کر دیے جاتے ہیں ماقبل اور مابعد کی آیتوں کو ملا کر غور کرنے سے اس آیت کا یہی مفہوم متعین ہوتا ہے۔ اسی لیے اگرچہ مفسرین نے اس آیت کی بھی حسب عادت مختلف تاویلیں کی ہیں لیکن محققین نے بالعموم یہی تاویل پسند کی ہے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی معتزلہ کے قول کے مطابق اسی تاویل کو "احسن" قرار دیا ہے شریف مرتضیٰ نے بھی اگرچہ اس آیت کی متعدد تاویلیں نقل کی ہیں مگر ان کا رجحان بھی اسی تاویل کی طرف زیادہ ہے علماء متاخرین میں استاذ امام علامہ حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی تاویل کی ہے۔ اور اس کی دوسرے دلائل سے توثیق کی ہے، تفصیل کا موقع نہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی اور دوسری آیتوں سے اس آیت کے یہی معنی متعین ہوتے ہیں اور

یعنی اس مفہوم کی بے شمار آیتیں قرآن میں ملتی ہیں کہ خدا، انذار سے قبل کسی قوم کو ہلاک نہیں کرتا بلکہ راستہ دکھانے والوں کو بھیجکر انکا آخری بار امتحان لیتا ہے مثلاً ایک آیت میں ہے۔

ذٰلِكَ أَن لَّمْ يَكُن رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا غَافِلُونَ۔

یعنی پیغمبروں کو بھیج بھیج کر حجت کا تمام کرنا اس سبب سے ہے کہ تمہارا پروردگار بستیوں کو ظلم سے ہلاک کرنے والا نہیں کہ ان کو ہلاک کر دے اور وہاں کے رہنے والے خدا کے منشا سے بے خبر ہوں

ایک دوسری آیت میں ہے:۔

مَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا۔

یعنی جب تک تمہارا پروردگار کسی قصبے میں پیغمبر نہ بھیجے اور وہ ان کو ہماری آیتیں پڑھکر نہ سنادے اس کی شان انصاف سے بعید ہے کہ اتمام حجت کے بغیر بستیوں کو ہلاک کر دیا کرے۔ سورہ شعراء میں ہے

وَمَا أَهْلَكْنَا مِن قَرْيَةٍ إِلَّا لَهَا مُنذِرُونَ۔

ہم نے کسی گاؤں کو بے اس کے ہلاک نہیں کیا کہ آگاہ کرنے کو ان کے پاس پیغمبر آئے۔

استحقاق عذاب کے بعد، انذار پر عذاب کیوں موقوف ہوتا ہے؟ اس کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے متعدد جگہ دیا ہے مثلاً سورہ قصص میں ہے۔ وَلَوْلَا أَن تُصِيبَهُم مُّصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ فَيَقُولُوا رَبَّنَا لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

ایک دوسری جگہ ہے:۔ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ أَن تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِن بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ۔ لَوْلَا أَرْسَلْتَ إِلَيْنَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ

اسی قسم کی بہت سی آیتیں قرآن میں ہیں اس وقت اس کی چند مثالیں پیش کر دی گئی ہیں استقصا مقصود نہیں۔

ان تمام آیتوں سے واضح ہو گیا ہو گا کہ آیت اذا اردنا الخ میں روئے سخن خواہ یہود کی طرف

ہو یا مشرکین عرب کی طرف، یہ بات واضح کی گئی ہے کہ کوئی قوم انذار سے قبل ہلاک نہیں کی جاتی لیکن انذار کے بعد پھر وہ زندہ بھی نہیں رہ سکتی۔ اس لیے اللہ کا تم پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے تم کو تمہاری بدکاریوں کی وجہ سے ہلاک نہیں کر دیا بلکہ تمہاری ہدایت کے لیے رسول بھیجا۔ اب بھی اگر تم اپنی بدکاریوں سے باز نہ آؤگے تو یاد رکھو کہ اللہ تمہارے کردار سے واقف ہے۔ وہ ضرور تم کو ہلاک کردیگا۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس مفہوم کی توضیح کے بعد آیت میں کوئی شبہہ ہی باقی نہیں رہتا۔ ہاں ایک سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ آیت میں مُتْرَفِیْنَ (خوشحال لوگوں) کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ جب کوئی قوم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاکت کی مستحق ہوگئی تو اگر اللہ کو خیر خواہی مقصود ہے تو مترفین کے ساتھ پوری قوم کو اطاعت اور نیکوکاری کا حکم دیا جاتا اور پوری قوم کے لیے انذار ہوتا۔ صرف مترفین کی تخصیص کیوں کی جاتی ہے؟ — اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہرگز نہیں کہ یہ حکم مترفین کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ بلکہ درحقیقت وہ حکم تمام اہل قریہ کے لیے ہوتا ہے لیکن چونکہ عوام ان کے تابع ہوتے ہیں۔ اور یہی دراصل ان کی شقاوت یا سعادت کا باعث ہوتے ہیں، نیز یہاں روئے سخن وہ مترفین ہی کی طرف ہے اس لیے ذکر میں ان کی تخصیص کردی گئی۔ ورنہ یہ چیز اپنی جگہ پر عام ہے۔

فضل فونٹن پن

سینیر نمبر ۸۶ جونیر نمبر ۱۱۰

نیا اسٹاک آچکا ہے

خوبصورت پائدار قیمت واجبی علاوہ اس کے سامان اسٹیشنری و کاغذ وغیرہ خط وکتابت سے طلب فرمائیے

فدا علی محمد علی تاجر کاغذ پتھر گٹی حیدرآباد دکن